ڈاکٹر محمد رضی راہی
وجیہہ الحسن صدیقی

انجمن ترقی اردو کا سیاسی، سماجی اور تاریخی پس منظر

انجمن ترقی اردو ''آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل'' کانفرنس کا ایک ذیلی ادارہ تھی۔ جس کا پہلا نام ''مجلس تعلیمی''، تعلیمی تھا۔ یہ ۱۹۰۳ء میں قائم ہوئی، پہلے سیکریٹری علامہ شبلی تھے۔ پھر ان کے جانشین مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی ہوئے۔ اس کے بعد عزیز مرزا ہوئے۔ عزیز مرزا کے بعد قرعہ فال مولوی عبدالحق کے نام نکلا۔ عبدالحق جب معتمد اعزازی بنے۔ تو وہ علی گڑھ سے ''انجمن'' کے دفتر کو بھی اورنگ آباد لے آئے۔ عبدالحق ۱۹۱۲ء میں انجمن کے معتمد اعزازی ہوئے۔ ان کی نگرانی میں اس ادارے کی جانب سے فلسفہ و تاریخ، سائنس، ادب اور تقریباً ہر فن پر معیاری کتابیں شائع ہوئیں۔ اب یہ ادارہ ''مجلس تعلیمی''، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخ کے طور پر باقی نہ رہا بلکہ یہ ادارہ ترقی کر کے ''انجمن ترقی اردو'' بن گیا ساتھ ہی اس ادارے نے مستقل انجمن کی حیثیت اختیار کر لی۔

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سے سہ ماہی رسالہ اردو ۱۹۲۱ء میں جاری ہوا۔ پھر سائنس اور معاشیات کے رسالے نکلے۔ ۱۹۳۸ء میں انجمن ترقی اردو کا دفتر دہلی منتقل ہوا۔

انجمن ترقی اردو کا سیاسی، سماجی اور تاریخی پس منظر نہایت اہم ہے ہندوستان سے مغل حکومت کے اختتام اور ۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل ہندوستان کی ناکامی نے ہندوستان کے سیاسی و سماجی پس منظر کو یکسر تبدیل کر دیا۔ مسلمانوں کو اقتدار سے محروم کر دیا گیا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو جنگ آزادی کا محرک و ذمہ دار قرار دیتے ہوئے ان کی ترقی اور بقا کے تمام راستے مسدود کر دیے۔ مسلمانوں کا ہر شعبۂ حیات میں استحصال کیا گیا۔ ہندوؤں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرب پیدا کر لیا اور انگریزوں سے مفادات حاصل کرنے لگے۔ ان دگرگوں حالات میں سرسید احمد خان نے عصری کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کے لیے مغربی علوم اور جدید تعلیم سے بہرہ وری کو نہ صرف لازمی قرار دیا بلکہ اس کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تا کہ مسلمانوں کو جدید طرز تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سے سرسید احمد خان کے خیالات میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہو چکی تھی اور ان کے ذہن میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کچھ سیاسی و کچھ تعلیمی منصوبے جنم لے رہے تھے۔[۱] سرسید مستقبل شناس تھے اس لیے قوم کو پیچھے کی طرف نہیں آگے لے جانا

چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی قوم کو جدید علوم اور کمالات سے روشناس کرانے کی کوشش کی جن کی بدولت اقوامِ مغرب کو قابلِ رشک فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ مولوی عبدالحق نے سرسید کے بارے میں اپنے مضمون میں لکھا ہے:

''دورِ گزشتہ میں ایسی عظیم ہستی اس سے پہلے کبھی نہیں تھی نہ اس کے بعد مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ اس کا زبردست عزم، استقلال، بے لوث خدمت انہماک، ایثار، اصابت رائے، خلوص ایسی خوبیاں تھیں جو ایک فردِ واحد میں مشکلات جمع ہوتی ہیں۔ اس نی شکست خوردہ، افسردہ دل قوم میں بیداری پیدا کی، ان کے بجھے ہوئے دلوں میں نیا جوش اور ولولہ پیدا کیا۔ اپنی مدد آپ کرنا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سکھایا۔ خودداری کا سبق دیا اور حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے قومیت کا خیال اسی نے دلایا اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک الگ قوم کی حیثیت سے پیش کیا اس کے لیے اسے بڑی بڑی مصیبتیں اور اذیتیں جھیلنی پڑیں اور دو زبردست اور عیار قوموں سے مقابلہ کرنا پڑا جو مل کر مسلمانوں کو پیس رہی تھیں۔ اس نے اپنی دانشمندی اور صداقت کے زور سے اس متحدہ محاذ کو توڑ کر مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کا راستہ نکالا۔''[۲]

جیلانی کامران لکھتے ہیں:

''یہ فرشتہ برصغیر میں اسلام کی نشاط ثانیہ کی علامت بن کر ظاہر ہوا۔ برصغیر میں جدید مسلم ذہن کی تشکیل کا جو کارنامہ سرسید سے انجام پایا وہ تاریخ میں جگمگاتا رہے گا۔''[۳]

چنانچہ سرسید نے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری کرنے کے لیے ۱۸۸۶ء میں '' آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس'' قائم کی۔ یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیمی انجمن تھی۔ اسی کی کوکھ سے ۴؍جنوری ۱۹۰۳ء میں ''انجمن ترقی اردو'' پیدا ہوئی جس کا پہلا نام ''مجلس تعلیمی'' تھا۔ انجمن ترقی اردو کے پہلے صدر تھا۔ مس آرنلڈ تھے اور نائب صدر مولوی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ اور مولانا الطاف حسین حالی تھے۔ جب کہ سیکریٹری مولانا شبلی تھے۔ پھر ان کے جانشین مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی ہوئے۔ یہ انجمن علی گڑھ میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد جدید علوم، سائنس اور فلسفہ پر کتابیں شائع کرنا تھا، تاکہ مسلمانوں کو جدید علوم سے آگہی حاصل ہو۔ انجمن ترقی اردو کا وجود منصّہ شہود پر کس طرح آیا اس کا ایک پس منظر ہے جسے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

مسلمان اور ہندوؤں کے ارتباط سے ایک ایسا کلچر پیدا ہو گیا تھا جسے ''ہندالمانی''، یعنی ''انڈو کلچر'' کہتے تھے۔ جب برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان کی بقاء کا مسئلہ پیدا ہوا تو مسلمانوں کو اس کے تحفظ کی فکر لاحق ہوئی اور انھوں نے ہندو مسلم تنازعات کے بعد ایک انجمن ''تعلیمی کمیٹی'' کے نام سے بنالی۔ اردو ہندی قضیہ کن وجوہ کی بناء پر معرض وجود میں آیا۔ وہ انگریز حکمرانوں کے گھناؤنے روپ میں چھپا ہوا تھا۔

ہندو مسلم موافقت زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہی۔ پہلی مشکل اُس جانب سے آئی کہ جس کی توقع بھی نہ تھی۔ مثلاً ملا بار کے موپلے جنگ جو قوم ہیں۔ انھوں نے تحریکِ خلافت کا خیر مقدم بڑے جوش وخروش کے ساتھ کیا، ابتدا میں جب ان کے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا تو انھوں نے بڑے قابلِ تعریف ضبط وعمل کا ثبوت دیا مگر بعد میں مقامی حکام کی غلطیوں نے انھیں مشتعل کر کے علانیہ بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ یہ بغاوت فرو کر دی گئی مگر اس سے قبل وہ حکومت کو اپنی چھاپہ مار جنگ سے بہت پریشان کر چکے تھے۔ چنانچہ ان سے بہت سخت برتاؤ کیا گیا۔ اس موقعے پر خلافت کمیشن نے مرنے والوں کے یتیم بچوں اور ان کی بیواؤں کے لیے امداد کا انتظام کیا۔ جب کہ ان کے رہنما باقی نہ رہے تھے اور وہ خود زیادہ تر ان پڑھ تھے اور وہ ہندوؤں کے خلاف جرائم کے بھی مرتکب ہوئے۔ انھوں نے اس علاقے میں اپنی چند روزہ حکومت قائم کر لی اس کے بعد انھیں آزادی کی سب سے زیادہ بین شکل یہی نظر آئی کہ وہ اپنے آپ کو ساہوکاروں اور زمین داروں کے پنجوں سے رہا کر لیں جن کے مظالم ایک غیر شخصی حکومت اور اعلیٰ سطح کے سیاسی جوڑ توڑ کی بنسبت زیادہ قریبی تھے۔ ان ساہوکاروں اور زمین داروں میں سے کچھ کے ساتھ برا سلوک کیا گیا تھا مگر انھوں نے قبول اسلام کا اعلان کرنے کے بعد اپنے لیے ہر قسم کے خطرے سے تحفظ حاصل کر لیا تھا۔ جب موپلوں کو دبا دیا گیا تو انھوں نے ہندو مخالفین کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کی تفصیلات منظرِ عام پر آئیں جس سے ہندوؤں کے دلوں میں قدرتی غم وغصہ پیدا ہوا۔ دونوں قوموں کے درمیان تشدد کا یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ برطانوی ذرائع کی تحریری شہادتوں کے مطابق پہلا ہندو مسلم بلوہ ۱۸۰۹ء میں بنارس میں ہوا تھا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کبھی اتفاقاً کبھی مسلسل فسادات برپا ہوتے رہے ہیں اور دونوں کے رقیبانہ جذبات کو بھڑکانے والا کوئی بھی واقعہ ان کا سبب بن جاتا ہے۔ موپلوں کی بغاوت سے صرف چار سال قبل ستمبر ۱۹۱۷ء میں بہار کے اضلاع آرہ اور شاہ آباد کے اندر مسلمانوں پر عام اجتماعی حملے ہوئے تھے۔ اسی مہینے میں اگلے سال ہردوار کے قریب کٹار پور میں ایک بلوہ ہوا تھا، جس میں ۱۹ مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔ ان فسادات کے باوجود ہندو مسلمانوں کا میل ملاپ ۱۹۱۹ء میں بمقام امرتسر ہو گیا تھا۔ مگر ہندوؤں کے خلاف موپلوں کی زیادتیوں کا اثر کچھ اور ہی ہوا مرہٹوں کے رہنما مونجے نے ۱۹۲۲ء میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف منظّم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ اس کی تحریک سنگٹھن کہلاتی تھی جس کے معنی ہیں ایک ساتھ جوڑ کر مضبوطی سے باندھ دینا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں کو ایک بار پھر اچھی طرح منظّم قوم بنا دیا جائے تا کہ وہ مضبوط ہو جائیں اور کسی ہنگامی صورت حال سے عہدہ برا ہو سکیں۔ مسلمانوں کو علم تھا کہ اس تحریک کا مقصد ہندو قوم کو انگریزوں کے خلاف تقویت پہنچانا نہیں ہے فی الحقیقت اس تنظیم نے جس لائحۂ عمل کی پیروی کی اس کو دیکھ کر کسی مشاہد کے ذہن میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا تھا

کہ یہ تحریک مسلمانوں کے خلاف جاری کی گئی ہے۔ ہندوؤں کو ایسے اسلحہ کے استعمال کی تربیت دی گئی جو مسلمانوں کے خلاف فسادات میں بروقت کام آسکتے تھے۔ مثلاً لاٹھیاں، اینٹوں کے ٹکڑے اور بنوٹ۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم دکان داروں اور کاریگروں کا معاشی مقاطعہ شروع کر دیا گیا۔ چوری چورہ کے واقعے کے بعد بہت جلد ہی ایک آریہ سماجی رہنما شردھانند نے جیل سے رہا ہو کر ملکانا راجپوتوں کو بڑی تعداد میں اجتماعی طور پر تبدیل مذہب کرانے کی تحریک شروع کر دی۔ جب ہندو مسلم اتحاد شروع ہوا تھا تو شردھانند کو ایک جلوس کی شکل میں دہلی کی جامع مسجد کی اندر لے جایا گیا تھا اور اسے منبر پر چڑھ کر مسلم سامعین کو خطاب کرنے کا غیر معمولی اعزاز دیا گیا تھا۔ ملکانے جاہل تھے اور چند صدیوں پہلے اسلام قبول کر لینے کے باوجود ہندوؤں کے بعض خیالات ورسومات کو اب تک اپنائے ہوئے تھے۔ وہ بہت آسان شکار تھے، جو اتنے مذہبی نہیں تھے جتنے سماجی تھے۔ انھیں اپنے راجپوت ہونے پر فخر و ناز تھا اور ان پر برادری کا دباؤ بھی تھا۔ یہ تحریک شدھی کہلاتی تھی جس کے معنی پاک کرنے کے ہیں۔ ان دو تحریکوں نے مسلمانوں کے ذہن میں شدید اندیشے پیدا کر دیے ان دونوں کو تحریکوں کے رہنما پرانے کانگریسی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کی ساری عمارت دھڑام سے گر جائے گی۔ مسلمانوں نے بھی ان کا جواب دو مقابل تحریکوں سے دیا۔ سنگٹھن کا مقابلہ کرنے کے لیے تنظیم اور شدھی سے مدافعت کرنے کے لیے تبلیغ۔ چوں کہ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کے وسائل کمزور تھے اس لیے مسلمانوں کی جوابی تحریکوں کو اس قدر کام یابی حاصل نہیں ہوئی۔[۵] ہندو تحریکیں ملک کی مختلف حصوں میں مسلمانوں کے خلاف کام کر رہی تھی۔ اور اردو زبان کے مقابل دیوناگری کو نافذ کرنا چاہتی تھی۔ ایسے نامساعد حالات میں سرسید نے سب سے پہلے اردو زبان کے حمایت میں اپنی آواز کو بلند کیا۔ ۱۸۶۶ء میں انھوں نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے پلیٹ فارم سے ورنیکلر یونیورسٹی کے قیام کی تحریک شروع کی۔ نام ور فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی نے لکھا ہے کہ ”ہندو اپنے تعصب کی وجہ سے ہر ایسے امر کے مزاحم ہوتے ہیں جو اُن کو مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ یاد دلائے۔“[۶] ہندوؤں کو سب سے پہلے صوبۂ بہار میں کام یابی حاصل ہوئی اور اردو کے بجائے کیتھی حروف جاری کیے گئے۔ ۹ رستمبر ۱۸۷۳ء کو سرسید نے اس کے سبوتاژ کے لیے الہ آباد میں ایک جلسہ منعقد کیا اور خود سیکریٹری کے فرائض انجام دیے۔ اس جلسہ میں دیوناگری کے غلبے کو روکنے کی کوششوں کے حوالے سے ذیلی کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ ۱۸۷۸ء میں علی گڑھ ”بھاشا سمروہن سبھا“ قائم ہوئی۔ ہندوؤں نے یہ سبھا اس لیے قائم کی تھی کہ سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اردو کے بجائے دیوناگری کا رواج پروان چڑھے اس کے علاوہ ہندوؤں نے علی گڑھ میں ایک انجمن ”بھارت ورشیا نیشنل ایسوسی ایشن“ کے نام سے بنائی جس کا مقصد ہندی زبان کی تصنیف و تالیف اور تراجم تھا اس کی ایک شاخ ”ناگرنی پرچارنی

سبھا'' بھی تھی جو فعال نہ ہو سکی۔ سبھا کی کام یابی کا سہرا میکڈونل کے سر باندھا گیا یہ شخص بھی کیمبل کی طرح اردو کا سخت دشمن تھا۔ جب صوبہ متحدہ میں سرانٹونی میکڈونل لیفٹیننٹ گورنر ہوئے تو انھوں نے صوبے میں ہندی کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس سے فرقہ پرست ہندوؤں میں پھر سے ایک تازہ روح پیدا ہوگئی۔ اس موقع پر سرسید نے ایک زبردست میموریل گورنر کو پیش کیا یہ اوائل ۱۸۸۸ء کا ذکر ہے جب سرسید احمد خان شدید بیمار تھے اس وقت انھوں نے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ایک مضمون شائع کیا اور الہ آباد کمیٹی کو مختلف مشورے دیے اور لکھا کہ ''اگر چہ مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا لیکن جہاں تک ممکن ہوگا میں ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہوں۔ [۷]

۱۸۶۷ء میں جب بنارس کانفرنس میں ہندوؤں نے ہندی کو قومی زبان بنانے کا مطالبہ کیا تو اس واقعے کے بعد سرسید نے کہہ دیا تھا کہ اب ہندو اور مسلمان دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ دونوں الگ الگ قومیں ہیں۔ یہیں سے دو قومی نظریے کی بنیاد پڑی۔ اسی سال ہندی کا تنازعہ بھی شروع ہوا۔ ۱۸۶۷ء میں اردو کی مخالفت میں الہ آباد، بنارس وغیرہ مقامات میں انجمنیں اور سبھائیں قائم ہوئیں۔ اخباروں میں اردو کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا۔ تحریری اور تقریری مباحث ہوئے۔ سرکاری اداروں میں اردو کو دفاتر، مدارس اور عدالتوں سے خارج کرنے اور اس کے بجائے ہندی رائج کرنے کی درخواستیں اور یادداشتیں بھیجی گئیں۔ سرسید نے اس جھگڑے کو روکنے کی کوشش کی اور آخر دم تک اس کا مقابلہ کرتے رہے۔ آپ نے بنارس کے جلسے میں اردو کی حمایت میں تقریر کی تھی اور ۱۸۶۷ء میں اردو یونیورسٹی کے قیام کا مطالبہ کیا۔[۸] سرسید احمد خان کی وفات کے بعد اور ان کی جانشین نواب محسن الملک اور مولوی بشیر الدین نے گورنر میکڈونل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لکھنؤ میں ایک مجلس تحفظ اردو قائم ہوئی ۸/اگست ۱۹۰۰ء کے اس کا پہلا جلسہ منعقد ہوا۔ نواب محسن الملک نے ایک معرکتہ الآراء تقریر کی اس جلسے میں ملک کے چپہ چپہ سے وفود شرکت کے لیے آئے اور اس جلسے کی خاص بات یہ تھی کہ تعلیم یافتہ ہندوؤں اور عیسائیوں نے بھی اردو کی ترقی و ترویج کی حمایت کی۔ ان سرگرمیوں سے لیفٹنیٹ گورنر میکڈونل سخت چراغ پا ہوا۔ وہ خود علی گڑھ گیا اور وہاں کے امینوں کو دھمکی دی کہ اگر معتمد نے گروہوں میں حصہ لیا تو علی گڑھ کی مالی امداد بند کر دی جائے گی۔ موصوف کے اس رویے سے بدظن ہو کر نواب محسن الملک ''تحفظ اردو'' کے کام سے دست بردار ہو گئے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اس واقعے کو محسن الملک مرحوم کی بزدلی پر محمول کیا ہے۔ گورنر میکڈونل کے خوف سے اردو ڈی فنس ایسوسی ایشن جلد تحلیل ہوگئی۔ مگر دسمبر ۱۹۰۲ء اور جنوری ۱۹۰۳ء میں دربار دہلی کے موقع پر آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس عروس البلاد دہلی میں منعقد ہوا اس کانفرنس کے مختلف شعبے قائم کیے گئے اور ایک ''شعبۂ علمیہ'' بھی قائم ہوا۔ جس کا مقصد اردو زبان کی ترقی تھا۔ اس کانفرنس کی صدارت صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے کی جب کہ اسسٹنٹ سیکریٹری

مولوی حامد علی صدیقی سہارن پوری تھے۔سید ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں ''لکھنؤ کی مجلس تو صدر کے رخصت ہونے کے ساتھ برخواست ہوگئی البتہ علی گڑھ والوں نے دو ڈھائی سال بعد اپنی تعلیمی کانفرنس میں ایک شعبۂ علمیہ قائم کیا اور مقصد کی صراحت کے لیے انجمن ترقی اردو نام رکھا وہ دہلی کے اجلاس (جنوری ۱۹۰۳ء) میں بنائی گئی۔۹ یہ انجمن ترقی اردو کی خوش قسمتی تھی کہ اسے شبلی جیسے نابغۂ روزگار شخصیت میسر آئی علامہ شبلی ہمہ اوصاف شخصیت کے مالک تھے۔آپ بیک وقت شاعر،ادیب،انشاپرداز،مورخ،سوانح نگار،اور نقاد بھی تھے۔وہ سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی کے مقاصد سے پوری طرح آگاہ تھے۔لہٰذا انھوں نے نئی تصنیفات و تالیفات اور تراجم کے کتب پر خاص توجہ کی۔دسمبر ۱۹۰۳ء میں جب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس بمبئی میں ہوا تو اس شعبہ سے متعلق رپورٹ علیحدہ شائع کی گئی۔نصابِ اردو کی جانب انجمن ترقی اردو نے خاص طور پر توجہ دی۔

۱۔ شبلی کے عہد میں فلسفہ تعلیم (ترجمہ ایجوکیشن از ہربرٹ اسپنسر) مترجم مولوی خواجہ غلام الحسنین۔
۲۔ رہنمایان ہند ترجمہ منشی نرائن پرشاد ورما (ترجمہ Prophets of India by Marmath) شائع ہوئیں۔

جب کہ حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے دور میں القمر،امرائے ہنود،سوانح عمری عپولین اور القول الاظہر کتابیں انجمن کی طرف سے شائع ہوئیں۔

شبلی نعمانی نے ۱۹۰۵ء میں استعفا دیا۔ان کی جگہ حبیب الرحمٰن خان شیروانی انجمن ترقی اردو کے سیکریٹری ہوئے۔انھوں نے کتابوں کی اشاعت کا کام جاری رکھا ساتھ ہی اصطلاحات علمیہ پر بھی توجہ دی ان کا انتقال ۱۹۱۲ء میں ہوا۔باقی کتابیں یہ ہیں:

۱۔ طریقہ انگریزی حکومت۔
۲۔ سوانح عمری میر انیس۔
۳۔ ترجمہ: کان فلک بٹوین ریلجن اینڈ سائنس ارڈ ریپر۔
۴۔ قدیم فارسی۔
۵۔ سوانح عمری حضرت امیر خسرو دہلویؒ۔
۶۔ ترجمہ ہیرو اینڈ ہیرو دورشپ از کارلائل۔
۷۔ ترجمہ میکس موار لکچرز۔
۸۔ تاریخ تمدن بکلز ہسٹری آف سوی لائزیشن۔

۹۔ کتاب الٰہیات۔

۱۰۔ نامہ دانشوراں۔

۱۱۔ رہنمایان ہند۔

۱۲۔ معارف ابن قتیبہ۔

ایک بار پھر انجمن ترقی اردو نے بڑی مستعدی جانفشانی سے کام شروع کیا۔ حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے جب انجمن کا چارج سنبھالا تو انجمن ترقی اردو کی تنظیم نو اور تشکیل جدید کی۔ دسمبر ۱۹۰۷ء میں کراچی میں پڑھی جانے والی اپنی رپورٹ میں کہتے ہیں۔ ''میں نے بہ تعمیل ارشاد اس بوجھ کو اپنے سر پر لیا اور لطیفہ غیبی کا منتظر رہا یعنی اس انتظار میں رہا کہ دیکھیے کیا سرمایہ اس کام کے چلانے کے واسطے میرے سپرد ہوگا۔ آٹھ مہینے کی کوشش کے بعد جو راس المال ملا وہ کاغذات کا ایک پلندہ تھا۔ صاحبو! اس میں کاغذ ایک بھی نہ تھا رجسٹر تھے، خط وکتابت کے فائل تھے، کچھ رسالے تھے۔ یہ رجسٹر وغیرہ بوجہ ایک سال کی بے کاری کے تقویم پارینہ کے مصداق بن چکے تھے اس کے کچھ عرصہ بعد وہ سرمایہ میرے پاس پہنچا جو انجمن کی کل کائنات تھا۔ کاش میں راس المال کی تعداد کو ظاہر نہ کرتا تا کہ شائقین اعتراض کو مایوسی نہ ہوتی اس راس المال کی تعداد (۶۔۱۰۔۱۳۹۔۶) پائی تھی ......سال ڈیڑھ سال کے سکوت کے باعث (جو میرے معزز پیش رو کی بزدلی اور برداشتہ خاطری کے سبب رہا) انجمن کا تمام نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ صدر انجمن ہندوستان چھوڑ کر انگلستان چلے گئے تھے، ارکان انتظامی قریباً کل حیدر آباد میں تھے۔ حمایت اردو کا جوش جو اردو ناگری کے قصے سے پیدا ہوا تھا، سرد ہو چکا تھا......ایسی حالت میں ضرورت تھی ایک زبردست تحریک کی جو انجمن اردو کے قالب میں از سر نو جان ڈالتی، اس کے اسباب مفقود تھے، مجھ کو فرصت بہت کم تھی۔ سرمایہ کا وہ حال تھا جو عرض کیا گیا، کچھ روز تک میں حیران رہا کہ کیا کرنا چاہیے، میں اس حیرت میں تھا اور مہربان حال ہمدرد معترضین مزہ لے لے کر اعتراض کر رہے تھے۔''[۱۰] اس رپورٹ کے باوجود مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے دوبارہ انجمن کا کام شروع کیا اور اس کی ترقی کے لیے حتی الامکان کوشش کی۔ انجمن کی جو کتب زیر قلم تھیں۔ ان کی جلد تکمیل کے لیے مولفین اور مترجمین سے تقاضے شروع کیے جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ پانچ سال میں چار کتب شائع ہوئیں۔ دسمبر ۱۹۰۹ء کے کانفرنس اجلاس رنگون کی رپورٹ سے عیاں ہوتا ہے کہ انجمن ترقی اردو بے جان ہو چکی تھی لہٰذا حالات سے مجبور ہو کر شیروانی صاحب نے انجمن سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اس وقت انجمن ترقی اردو کی ناؤ بھنور میں پھنس چکی تھی اس کو سہارا دینے کے لیے مولوی عزیز مرزا کو سیکریٹری شب کے لیے منتخب کیا گیا۔ مولوی عزیز مرزا نے انجمن کی ناؤ کو کنارے تک پہنچانے کی بہت سعی کی اس میں انھیں کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن ان کی عمر نے وفا

نہ کی اور وہ داغ مفارقت دے گئے۔ ملک میں انجمن ترقی اردو کے متعلق جو دفعات قائم تھی یا جن مقاصد کی بنا پر انجمن وجود میں آئی تھی ان میں سے ایک بھی پورا نہیں ہوا اس کی بڑی خصوصیت اور اس کا برا کام اس کی ناکامی تھی اور اس لیے وہ گزشتہ دس گیارہ سال سے بڑی سسک رہی تھی۔ اس کی زندگی میں شاید چند سانس باقی رہ گئے تھے۔''[11] آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے چھبیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ ۱۹۱۲ء میں ۳۰ دسمبر کو تقریر کے دوران صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے انجمن ترقی اردو کے معتمد کے لیے مولوی عبدالحق کا نام پیش کیا۔ جو اس زمانے میں اورنگ آباد میں صدر مہتمم تعلیمات تھے۔ آفتاب احمد خان کی دور بین آنکھوں نے پرکھ لیا تھا کہ یہی ایک ایسا نگینہ ہے جو اس بار کو اٹھا سکتا ہے۔ مولوی عبدالحق نے سرسید کی آنکھیں دیکھی تھیں ان کے افکار و خیالات سے مستفیض ہوئے تھے۔ درحقیقت مولوی عبدالحق دبستان سرسید کے حقیقی نمائندے تھے۔ وہ سرسید کے بارے میں لکھتے ہیں: ''مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور ابتری کو دیکھنے کے بعد سب سے بڑا مسئلہ ان کے سامنے یہ تھا کہ وہ قوم کو اس ورطۂ منزلت سے کیوں کر نکالا جائے بہت غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کا علاج صرف جدید مغربی تعلیم ہے۔ ہماری ساری مصیبت پسماندگی اور محرومی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔''[12] مولوی عبدالحق کی پیش نظر سرسید کے افکار و خیالات اور ان کی تحریریں تھیں۔ جن کے مقاصد مولوی عبدالحق خوب جانتے تھے۔ اسی لیے مولوی عبدالحق نے انجمن کا سیکریٹری بننا قبول کیا۔ انجمن کا دفتر علی گڑھ سے اورنگ آباد منتقل ہوا۔ ''جب انجمن ترقی اردو کا دفتر علی گڑھ سے اورنگ آباد منتقل ہوا تو نئے سیکریٹری کو وراثتاً ''ایک پرانا صندوق ملا جو بوسیدگی کی وجہ سے رسی سے بندھا تھا۔ اس میں ایک رجسٹر چند پرانے اور غیر مرتب مسودات، ایک قلم دوات اور باقی...... اللہ کا نام! یہ تھی کل کائنات انجمن ترقی اردو کی جو اس نے اپنے معتمد چہارم کے حوالے کی ایک رجسٹر اور ایک قلم دوات کو ہاتھ میں لے کر ہندوستان جیسے ملک میں کسی کام کے لیے کھڑا ہونا مولوی عبدالحق ہی کا کام تھا۔ آپ کے اس وقت کے خیالات کا اندازہ کچھ آپ ہی کے الفاظ میں بھلا معلوم ہوگا۔''[13] میں نے بہت ڈرتے ڈرتے اس بار گراں کو اپنے ذمہ لیا کیوں کہ جس قدر یہ کام ضروری ہے، اسی قدر مشکل بھی، اردو زبان میں علوم و فنون لانے کے لیے ایسے اصحاب کی ضرورت ہے۔ جو علوم مشرقی و مغربی دونوں میں ماہر ہوں۔ اور ایسے لوگ ہماری قوم میں شاذ و نادر ہیں۔ دوسری مشکل اس کام میں کافی سرمایہ بہم پہنچانے کی ہے۔ یہ کام اس قدر بڑا، اس قدر وسیع اور ایسا اہم ہے کہ جب تک ہزاروں نہیں لاکھوں کا سرمایہ نہ ہو، اس کا خاطر خواہ چلانا ممکن نہیں۔ تاہم چند مہینوں میں اپنی بساط کے موافق جو کوشش اس بارے میں میں نے کی ہے، اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس شعبہ کا کام استقلال اور ہمدردی سے چلایا جائے تو باتوں کی کوئی وجہ نہیں ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ چند سال کے بعد کانفرنس کا یہ شعبہ سب سے زیادہ مفید ثابت ہو۔

۱۴مولوی عبدالحق نے انجمن کی تنظیم نو کی۔ ۱۹۱۳ء میں نواب عمادالملک انجمن کے صدر رہوئے۔ دوسرے شہروں میں انجمن کی شاخیں قائم کی گئیں۔ جنوری ۱۹۲۱ء میں مولوی عبدالحق نے انجمن کے زیر اہتمام رسالہ سہ ماہی اردو کا اجراء ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں مجلس نظما قائم کی۔ نواب عمادالملک کا انتقال ۱۹۲۶ء میں ہوا۔ ان کی جگہ نواب مسعود جنگ بہادر یعنی سر راس مسعود انجمن کے عہدے پر فائز ہوئے۔ جس وقت انجمن کا کام آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا، ارکان کی تعداد تین تھی جو درج ذیل ہیں:

۱۔ سرپرست، امراء ورؤساء ملک، جو انجمن کو یکمشت ایک ہزار روپے عطا فرمائیں۔

۲۔ ارکان دوامی، وہ حضرات جو یکمشت پانسو روپے عنایت فرمائیں۔

۳۔ ارکان شوریٰ، وہ نامور ارباب علم وصاحبان علم وفن میں جن کی حدمت میں انجمن کی طرف سے کوئی کتاب بغرض رائے پیش کی جائے یا انجمن کے کسی معاملہ میں ان سے مشورہ لیا جائے۔

سرپرست اور ارکان دوامی کی فہرست میں اس وقت تک کوئی نام نامی درج نہیں ہوا تھا، البتہ ارکان شوریٰ کی فہرست اچھی خاصی طویل تھی اس میں شک نہیں کہ علمی کاموں میں مشورہ بھی بہت کچھ قیمت رکھتا ہے مگر کام روپے ہی کے بل پر چلتے ہیں چنانچہ آپ نے ایک قسم ارکان معمولی کا اضافہ کیا جن کے لیے لازم تھا کہ وہ ایک روپیہ ماہانہ یا بارہ روپے سالانہ عنایت کریں۔ اس کے لیے آپ نے سب سے پہلے اورنگ آباد میں کوشش کی اور اپنے احباب کو رکن بنانا شروع کیا۔ ۱۵

اورنگ آباد میں مقبرہ درانی میں انجمن ترقی اردو کا دفتر قائم ہوا اور دور نو کا آغاز شروع ہوا۔ مولوی عبدالحق کا انجمن کا معتمد بننا نہ صرف انجمن بلکہ اردو زبان وادبِ تاریخ کا نہایت معرکۃ الآرا واقعہ ہے اس نے ہماری ادبیات پر جو اثر ڈالا۔ وہ کسی سے مخفی نہیں ہے انجمن مولوی عبدالحق کی معتمدی میں روز بہ روز ترقی کے نردبان پر چڑھنے لگے اور اس کے چرچے پورے ہندوستان میں ہونے لگے۔ اس میں مولوی عبدالحق کا شبانہ کی روز محنت لگن اور اخلاص شامل تھا۔ مولوی عبدالحق نے سب سے پہلے انجمن کے لیے چندہ جمع کرنا شروع کیا شروع کے دو سالوں میں آٹھ ہزار روپے انجمن کے فنڈ میں موجود تھے۔ انجمن ترقی اردو کی تنظیم نو کی گئی اور تمام معاملات کو نئے سرے سے استوار کیا گیا۔ انجمن کی رکنیت سازی کو صرف اس مقصد کے لیے تبدیل کیا گیا کہ جلد سے جلد زیادہ سے زیادہ رقوم انجمن کے پاس جمع ہو جائے اور انجمن کے بنیادی مقاصد جلد سے جلد کام یابی سے ہمکنار ہوں اسی زمانہ میں اردو ٹائپ کے حوالے سے حکومت حیدر آباد نے رقم کی منظوری دی۔

نظام حیدر آباد کے فیصلے سے انجمن کو مزید تقویت ملی اور اس کے دائرہ کار میں وسعت کی ایک نئی راہ پیدا ہوئی۔ مدارس اور جامعہ کے نصاب سے متعلق تالیف وترجمہ کام میں بھی انجمن نے بڑی مستعدی دکھائی۔

سر اکبر حیدری کی کوششوں سے نظام حیدر آباد نے ۱۹۱۶ء میں انجمن کی امداد بارہ سو روپے سے بڑھا کر مستقلاً پانچ ہزار روپے سالانہ کر دی۔ بیگم بھوپال نے بھی انجمن کے لیے پچاس روپے ماہانہ کی مستقل امداد منظور کی ۱۶ اسی زمانے میں مولوی عبدالحق کے احباب کے علاوہ کئی اور لوگ انجمن کے ہم درد بن گئے جنھوں نے مشوروں اور عطیات کی فراہمی میں انجمن کی اعانت کی۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ جناب مولوی مرزا محمد بیگ صاحب حیدر آباد۔

۲۔ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری (مرحوم) دہلی۔

۳۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب بجنوری (مرحوم) بھوپال۔

۴۔ مسٹر راس مسعود (نواب سر مسعود جنگ بہادر مرحوم) ناظم تعلیم حیدر آباد دکن۔

۵۔ جناب مولوی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ، بھوپال۔

۶۔ جناب مولوی حافظ ساجد علی صاحب عباسی (مرحوم) وکیل اورنگ آباد۔

۷۔ جناب خان محمد الف خاں صاحب ناغڑ (مرحوم) مہتمم صدر مجلس اورنگ آباد۔

۸۔ جناب مولوی عبدالسلام صاحب حیدر آباد دکن۔

۹۔ مسٹر ڈی۔ بی کامٹ (آنجہانی) مہتمم تعلیمات ضلع پربھنی۔

۱۰۔ جناب مولوی محمد سجاد صاحب تحصیل دار جنتا (ضلع اورنگ آباد)

۱۱۔ جناب مولوی ظفر الملک صاحب ایڈیٹر ''الناظر'' لکھنؤ۔

۱۲۔ جناب مولانا سید ہاشمی صاحب فرید آبادی۔

۱۳۔ جناب مولوی معشوق حسین خاں صاحب (نواب معشوق جنگ بہادر) حیدر آباد۔

۱۴۔ جناب مولوی محمد رضا صاحب (نواب رضا نواز جنگ بہادر مرحوم) اورنگ آباد۔

۱۹۲۰ء میں انجمن کے معاملات اور کاموں میں وسعت پیدا ہوگئی۔ اردو زبان سے متعلقہ دو کتب کی تیاری کا کام شروع ہوا۔

۱۔ اصطلاحات علوم جدید

۲۔ اصطلاحات پیشہ رواں

اول الذکر اشاعت پذیر ہوئی لیکن آخر الذکر کا کام ابھی باقی تھا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کا معرکتہ الآرا مقالہ محاسن کلام غالب شائع ہوا۔ علاوہ ازیں مولوی وحید الدین سلیم کی اصول وضع اصطلاحات علمیہ اردو ادب کے افق پر طلوع ہوئیں۔ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ کے تعاون سے انجمن ترقی اردو نے ۱۹۱۹ء تک

چھے ہزار سے زائد اصطلاحات وضع کیں۔

اس کے علاوہ فلسفۂ جذبات، انتخاب کلام میر اور علم معیشت کی طباعت دوئم ہوئی۔لوگوں کے ادبی ذوق کو پروان چڑھانے میں مولوی عبدالحق کا جاری کردہ جریدہ ''سہ ماہی اردو'' بہت فعال ثابت ہوا۔اس کے بارے میں منشی پریم چند نے خوب کہا تھا کہ ''یہ اردو رسائل کا قافلہ سالار ہے ہندوستان کا تو ذکر کیا یورپ اور امریکہ میں بھی کم رسالے ہیں جن کا معیار اتنا بلند اور مذاق اتنا پاکیزہ ہوگا جتنا [سہ ماہی] اردو کا ہے۔'' یہ رسالہ اردو زبان کا پہلا جریدہ ہے جس میں مستند اور وقیع مضامین چھاپنے کا سلسلہ شروع ہوا اور آج تک اس کی اہمیت اور افادیت باقی ہے۔مولوی عبدالحق کی تقاریر اور تحریروں نے لوگوں کو فراہمی سرمایہ کی طرف راغب کیا مولوی عبدالحق ہر موڑ پر اردو کو تعلیمی زبان بنانے کی وکالت کرتے رہے۔ان کی مخالفین نے اس کے خلاف کئی مضامین بھی لکھے۔لیکن مولوی عبدالحق کے عزم و ارادے کے سامنے وہ شکست خوردہ ہوگئے۔انجمن نے نئی کتابوں کے سلسلے میں سوانح، فلسفہ، تاریخ اور تذکروں کی کتب شائع کیں۔ ہندوستان میں اردو زبان کی ترقی مولوی عبدالحق کی سعیٔ تبلیغی تھی اس اثنا میں خلافت موومنٹ اور کئی غیر ضروری مدوں میں اسراف روپے کی شکایتیں موصول ہوئیں۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں مولوی عبدالحق نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے انجمن کے آئین کی تجدید اور باضابطہ ''مجلس نظما'' قائم کی۔جس کے اوّلین ارکان یہ تھے:

۱۔	نواب عمادالملک بہادر	صدر
۲۔	نواب سر مسعود جنگ بہادر	رکن
۳۔	نواب صدر یار جنگ بہادر	رکن
۴۔	ڈاکٹر سر محمد اقبال	رکن
۵۔	مسیح الملک حکیم اجمل خان	رکن
۶۔	مولانا ابوالکلام آزاد	رکن
۷۔	مولانا محمد عبدالحلیم شرر	رکن
۸۔	نواب فخر یار جنگ بہادر حیدر آباد	رکن
۹۔	مولوی غلام یزدانی (او۔بی۔ای) حیدر آباد دکن	رکن
۱۰۔	مولوی سید ہاشمی فرید آبادی	رکن
۱۱۔	ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ڈھاکہ یونیورسٹی	رکن
۱۲۔	مولوی عبدالحق معتمد	

اس مجلس نظماء کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ وہ انجمن ترقی اردو کے مقاصد صرف و ترقی و اشاعت کے ذرائع پر غور کرے اور انھیں پایۂ تکمیل پہنچانے کی سعی کرے۔ انجمن کے اشاعتی امور کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انجمن کے ایک ذاتی پریس کی ضرورت تھی چنانچہ ۱۹۲۴ء میں اردو باغ میں ٹائپ پریس قائم ہو گیا اس سے بیش تر کتب نظامی پریس بدایوں، الناظر پریس لکھنؤ اور انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوتی تھیں۔ ۱۹۲۶ء میں انجمن کے صدر نواب سید حسین بلگرامی عماد الملک کا انتقال ہو گیا۔ مجلس نظما نے مرحوم کی جگہ سر راس مسعود کو انجمن کا صدر اکثریت رائے سے منتخب کر لیا۔ مولوی عبدالحق کو چندہ مانگنے کا ڈھنگ آتا تھا۔ مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ انھوں نے سرسید سے سب کچھ سیکھا۔ لیکن چندہ مانگنے کا ہنر نہ تھا۔ مگر میرا خیال ہے کہ مولوی عبدالحق نے کسر نفسی سے کام لیا ہے۔ وہ بھی سرسید کی طرح چندہ مانگنے کا ڈھنگ خوب جانتے تھے ۔ انجمن کی ترقی کے لیے انھوں نے کئی سالوں تک راجپوتانہ، میواڑ، گجرات، بہار، بنگال، صوبہ متوسط، مالوہ اور کاٹھیاواڑ کے طوفانی دورے کیے اور انجمن کے مقاصد سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس وقت تک ہندوستان کے کثیر شہروں میں انجمن کی شاخیں اور کتب خانے قائم ہو چکے تھے۔ جب انجمن نے پندرھویں سال میں قدم رکھا تو اس کے ارکان اعانتی کی تعداد تین سو سے زائد تھی۔ انجمن کی کتب کی خرید و فروخت بڑھی تھی۔ اس سال انجمن ترقی اردو کے سالانہ اجلاس کی صورت میں منعقد ہوا جس کی صدارت پروفیسر مولوی وحیدالدین سلیم نے کی اور اپنے صدارتی خطبہ میں بصیرت افروز تقریر کی...... ’’حضرات! انجمن ترقی اردو کی ضرورت پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے مگر اب زمانہ کے حوادث پکار کر کہہ رہے ہیں کہ غفلت کا زمانہ ہو چکا۔ اگر اب بھی بیدار نہ ہو گے تو مشکلات و شدائد کے پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اپنی زبان کی حفاظت کرنا، اس کو زندہ رکھنا، اس کو ترقی دینا، اس میں بلند پایہ معلومات و خیالات کا سرمایہ جمع کرنا ہر اس قوم کا فرض ہے جو اس دنیا میں زندہ رہنا چاہتی ہے جو چاہتی ہے کہ حوادث کی کشمکش سے ملیامیٹ نہ ہو جائے...... ہماری قوم کا ہر بچہ، خواہ وہ ملک کے کسی گوشہ میں پیدا ہوا اپنی قومی زبان سے محروم نہ رہے اگر وہ اردو زبان بولتا، سمجھتا اور پڑھتا ہے، تو ہر وقت یہ بات اس کے ذہن میں مرکوز رہے کہ میں کوئی تنہا ہستی نہیں ہوں۔ میرے خیالات محض ذاتی خیال ہی نہیں ہیں بلکہ پوری قوم کے دل سے اٹھے ہیں اور ان کی اس لہر میرے دل میں ہے۔ میرے جذبات تنہا میرے ہی قلب سے آشکار نہیں ہوئے بلکہ وہ ان جذبات کی ایک جھلک ہیں، جو بھی قوم کے سینہ میں موج زن ہیں۔ میں اس زنجیر کی ایک کڑی ہوں جس نے ہندوستان کی کروڑوں دلوں کو باہم ملا رکھا ہے...... اے اس زندہ قوم کے جانشینو! جن کی علمی فیاضیوں کی داستان سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں، آگے بڑھو اور اس بات کا ثبوت دو کہ اگرچہ قوم کا سارا جسم سر سے پاؤں تک زندہ نہیں ہے مگر تم اس شاندار جسم کے وہ اعضا ہو جن میں زندگی کے آثار اب بھی

باقی ہیں۔ اگر تم نے کروٹ لی اور اس زندگی کی لہر کو اس تمام افرادِ جسم میں پھیلا دیا تو پھر ساری قوم کے زندہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔ ۱۷

اے غیرت مند امیر و! تمھارا وجود جس قوم میں نہیں ہو اس کی ترقی کے جذبے پست ہو کر رہ جاتے ہیں...... اے ملت کے دردمند اور قوم پرست امیر و یہ خطاب تم ہی سے ہے۔ یہ صدا تمھارے ہی حضور میں بلند کی گئی ہے...... کانفرنس اب تک بیسیوں دروازے جھانک چکی ہے۔ مگر آج اس نے مکہ کے دروازہ پر سر جھکایا ہے پھر کیا ممکن ہے کہ اس کو خاطر خواہ ترقی کرنے میں کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ ۱۷ جیسے جیسے انجمن ترقی کرتی گئی۔ اس کی مطبوعات میں اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ سائنس کے تمام مسائل کو عام فہم کرنے کی غرض سے انجمن نے ۱۹۲۸ء میں سہ ماہی رسالہ سائنس اورنگ آباد سے جاری کیا۔ جو جولائی ۱۹۴۸ء تک شائع ہوتا رہا۔ مظفر قریشی، محمود احمد حان اور نصیر احمد اس کے مدیر رہے۔ اس طرح تقریباً گیارہ سال یہ رسالہ مختلف دانشوروں کی ادارت میں نکلتا رہا۔ آخر کار ۱۹۳۰ء میں درسیہ عثمانیہ کی اردو کی ریڈریں شائع ہوئیں۔ ان ریڈروں کی مقبولیت کے متعلق اتنا لکھنا کافی ہے کہ دکشنا ناگری پرچار سبھا صوبہ مدراس نے اپنے نصاب میں ان کو شامل کیا۔ مولوی عبدالحق نے حیدر آباد دکن اورنگ آباد میں رہتے ہوئے جہاں انجمن کی تشکیل و تکمیل کے رات دن ایک کر دیے وہیں انھوں نے دکنیات کے حوالے سے تحقیق و تنقید میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۷ء تا ۱۹۲۸ء کے دوران انھوں نے دکنی ادب کے سرمائے کو کھنگال ڈالا اور ایسے تحقیقی و تنقیدی مضمون رسالہ اردو میں شائع کیے۔ جن کی نظیر آج تک نہیں ملتی۔ خاص طور پر کلیات قلی قطب شاہ کا مقدمہ قطب مشتری کا مقدمہ، انتخاب ذکر میر کا مقدمہ ایسی تالیفات ہیں کہ آج تک دکنیات کے حوالے سے مولوی عبدالحق کا کوئی ہم عصر اردو ادب میں پیدا نہ ہو سکا۔ انھوں نے جدید تالیفات اور تصنیفات کے ساتھ ساتھ قدیم ادب پر محققانہ قلم اٹھایا۔ ان کے اس مثالی تحقیقی کام میں نکات الشعراء تذکرہ شعرائے اردو (مصحفی) مخزن شعراء، دریائے لطافت، مثنوی خواب و خیال، چمنستان شعراء، تذکرہ شعرائے اردو (گردیزی) ریاض الفصحا، گل عجائب سب رس اور عقد ثریا وغیرہ شامل ہیں۔ تقسیم ملک کے نتیجے میں دہلی میں انجمن ترقی اردو کا کتب خانہ نذر آتش ہو گیا۔ آخر کار حالات سے مجبور ہو کر مولوی عبدالحق دہلی سے کراچی پہنچے۔

یہ خیال عام ہو گیا تھا کہ اردو ہندی کو ملانے کی غرض سے ان کا نام ہندوستانی قرار دیا جائے اور ایک ہی زبان، فارسی اور ناگری رسم خط میں تحریر ہوا کرے۔ لیکن ہندی حقیقت میں بہت محدود اور صرف گیتوں کی بولی تھی۔ چند روز میں ادبی اور علمی زبان بنانے کے لیے اس کے حامیوں نے سنسکرت کے نئے اور نامانوس الفاظ کثرت سے بھرنے شروع کیے اور افسوس ہے کہ پھر وہی ایک صدی پہلے کا تعصب تازہ ہو گیا کہ عربی فارسی

کے ایسے الفاظ بھی جو مدت ہائے دراز سے ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے میں رائج اور ہماری مشترکہ زبان اردو کا جز بن چکے ہیں، انھیں چن چن کر نکالنے لگے۔ یہ دیکھ کر مولوی عبدالحق نے اورینٹل کانفرنس کے بڑودہ کے اجلاس (منعقدہ ۱۹۳۴ء) میں صاف کہہ دیا کہ ہندی اور اردو ادب ہرگز ایک نہیں رہیں گی۔ جب یہ حقیقت آشکار ہوگئی تو ملک کی ایک جماعت نے اردو کا گلا دبانے کی کوشش شروع کی اور ''بھارتیہ ساہتیہ پریشد'' نے کھلے بندوں کہہ دیا کہ ملک میں ایک ہی زبان رہنی چاہیے اور یہ حق صرف ہندی کو حاصل ہے۔ اس جماعت کو اپنی چند روزہ طاقت پر گھمنڈ ہوگیا ہے۔ لیکن ان صاحبوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اردو چند لوگوں کی سازش یا کسی خاص فرقہ کی مرضی یا کسی مطلق العنان بادشاہ کے فرمان سے جاری نہیں ہوئی ہے یہ ملک کی ضرورت سے پیدا ہوئی اور وہ ضرورت اب بھی باقی ہے۔ اردو پر ایسے نازک مواقع کئی دفعہ آ چکے ہیں اور وہ ان بھونچالوں میں ہمیشہ صحیح سلامت رہی ہے۔ چنانچے اب مولوی عبدالحق صاحب نے بھی ڈنکے کی چوٹ کہہ دیا ہے کہ اگر دشمنوں کی یہی نیت ہے تو ہم بھی ایسے بیٹھے نہیں ہیں کہ اسے فنا ہوتے دیکھیں اور چپ رہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ انجمن ترقی اردو کے دائرہ عمل کو اور زیادہ وسعت دی جائے، اس غرض سے ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو منتخب اصحاب کی ایک کانفرنس کا انعقاد علی گڑھ یونیورسٹی میں کیا گیا اس کانفرنس میں ہر صوبے کے نمائندے موجود تھے کانفرنس کا اجلاس دو روز تک چلا۔ پہلے روز کے اجلاس کی صدارت جناب خان بہادر راجا امیر احمد خاں والی محمود آباد نے فرمائی اور دوسرے روز کے اجلاس کے صدر جناب نواب مہدی یار جنگ بہادر صدر المہام تعلیمات وسیاسیات ووائس چانسلر جامعہ عثمانیہ تھے۔ کانفرنس کے لیے مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ نے ایک مجلس استقبالیہ مرتب کی تھی جس کے صدر جناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر اور سکریٹری جناب مولوی رشید احمد صدیقی صدر شعبۂ اردو تھے۔ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ نے اپنی قدیم روایات کو قائم رکھا اور بڑے جوش اور خلوص سے کانفرنس کی انتظامات انجام دیے۔ اس کانفرنس کی مفصل رپورٹ علیحدہ چھپ چکی ہیں۔ ذیل میں صرف ان تجاویز کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو کانفرنس میں متفقہ طور پر منظور ہوئیں۔ کانفرنس نے کام کی سہولت کی غرض سے انجمن کے لیے اِن تین مجلسوں کا قائم کرنا ضروری سمجھا۔

۱۔ اصلاح زبان کمیٹی:

اس کمیٹی کے گیارہ ارکان ہوں گے اور کمیٹی زیادہ سے زیادہ حسب ضرورت چار ارکان کا اضافہ کر سکے گی۔ اس کمیٹی کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:

ا۔ زبان کے مسائل کے متعلق ملک کے سربرآوردہ اہل ادب کی آرا حاصل کر کے ان پر غور کرے اور ان

آرا کی بنا پر فیصلے صادر کرے۔
۲۔ ان تمام تجاویز پر غور کرے اور فیصلے صادر کرے جن سے رسم الخط اور طباعت کی اصلاح مقصود ہے۔
۲۔ادبی کمیٹی:
اس کے پچیس ارکان ہوں گے اور کمیٹی زیادہ حسب ضرورت دس ارکان کا اضافہ کر سکے گی۔اس کے متعلق حسب ذیل کام ہوں گے:
۱۔ مناسب کتابوں کا ترجمہ کے لیے انتخاب کرنا۔
۲۔ مختلف عنوانات کا تالیف کے لیے انتخاب کرنا اور ان کی مصنفین ومؤلفین کو منتخب کرنا۔
۳۔ اردو کی کتابوں کو جو پہلے کبھی چھپ چکی ہیں یا ابھی تک نہیں چھپیں، منتخب کر کے ان کی تصحیح وترتیب کا انتظام کرنا۔
۴۔ علمی۔فنی اور ادبی کتابوں کی تصنیف وتالیف اور عام معلومات اور دل چسپی کی کتابیں عام فہم زبان میں لکھوانا اور کثرت سے مناسب قیمت پر شائع کرنا۔
۳۔اشاعت خانہ کمیٹی:
اس کمیٹی کے ارکن کی تعداد تیرہ ہوگی۔جس کا کام یہ ہوگا کہ مجوزہ اردو اشاعت خانے کی مکمل اسکیم پیش کرے۔ان کمیٹیوں کے علاوہ کانفرنس نے مندرجہ ذیل تجاویز منظور کیں:
۱۔ طے پایا کہ برطانوی ہندو اور دیسی ریاستوں میں اردو کی اشاعت کے مرکز بڑے بڑے شہر میں قائم کیے جائیں۔
۲۔ قرار پایا کہ انجمن ترقی اردو کا مرکز دہلی قرار دیا جائے اور جس قدر جلد ممکن ہو انجمن کے موجودہ دفتر وغیرہ میں منتقل کیے جائیں۔
۳۔ انجمن ترقی اردو کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا ایک وسیع کتب خانہ دلّی میں قائم کیا جائے۔
۴۔ قرار پایا کہ انجمن کا اشاعت خانہ (پبلشنگ ہاؤس) وسیع پیمانہ پر دلّی میں قائم کیا جائے۔ ۱۸؍۱۹۳۷ء میں انجمن ترقی اردو کے صدر نواب سید مسعود جنگ نے انتقال فرمایا یہ انجمن کے لیے بڑا سانحہ تھا۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء علی گڑھ کی مشاورت کے فیصلے کے مطابق انجمن ترقی اردو کا مرکزی دفتر دہلی قرار پایا۔ مولوی عبدالحق نے حیدرآباد کی ملازمت کو اردو تحریک وزبان کی خدمات کے لیے قربان کر دیا اور اورنگ آباد کی سکونت ترک کر کے مع انجمن ترقی اردو ۱۹۳۸ء میں دہلی منتقل ہو گئے۔ ۱۹۳۸ء میں جب عبدالحق جامعہ عثمانیہ کی اردو پروفیسری سے استعفیٰ دے کر دہلی آ گئے تو انجمن ترقی اردو کا دفتر بھی ان کے ساتھ

آیا۔ انجمن ترقی اردو کا دفتر ۱۹۳۸ء میں اورنگ آباد سے دہلی منتقل ہوا۔ سر راس مسعود کے انتقال کے بعد ۱۹۳۸ء میں سر تیج بہادر سپرو کو انجمن کا صدر بنایا گیا۔

اپریل ۱۹۳۹ء انجمن کے پندرہ روزہ اخبار ہماری زبان کا اجراء ہوا۔ ۱۹۴۰ء تک انجمن کی مطبوعات کی تعداد ۱۳۰ تک پہنچ گئی اور ملک بھر میں انجمن کی شاخوں کی تعداد ۱۸۰ ہو گئی تھی۔ تقریباً ۶۲ تعلیمی ادارے ایسے تھے جو انجمن کی زیر نگرانی کام کر رہے تھے۔ انڈین سوسائٹیز ایکٹ نمبر ۲۱ مجریہ ۱۸۶۰ء کے تحت انجمن ترقی اردو ۱۹۴۱ء میں ایک رجسٹرڈ ادارہ بن گئی۔ جنوری ۱۹۴۲ء میں رسالہ معاشیات انجمن ترقی اردو کے زیر نگرانی نکلا جو مئی ۱۹۴۷ء میں بند ہو گیا۔ اگست ۱۹۴۹ء میں اسے کراچی سے دوبارہ نکالا گیا۔

مولوی عبدالحق اپنی ذات میں ایک انجمن تھے انھوں نے اپنی زندگی تعلیم اور اردو کی خدمت کے لیے وقف کر کے ایک شان دار اور قابل تقلید مثال پیش کی۔ ان کے بہت سے خواب ابھی شرمندۂ تعبیر ہیں۔ جن میں ایک خواب اردو یونیورسٹی کا قیام تھا[۱۳]۔ ۱۳ر نومبر ۲۰۰۲ء کو ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے اردو کالج کو وفاقی یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا اور وفاقی اردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آ گیا۔

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر عبداللہ، ''وجہی سے اقبال تک''، مکتبۂ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۷۷ء ص ۶۷۔
۲۔ ''برگ گل''، سرسید نمبر، اردو کالج، ۵۴۔۱۹۵۵ء، کراچی، ص ۱۵۔
۳۔ جیلانی کامران، ''ادب کے مخفی اشارے''، ابلاغ، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۳۔
۴۔ سید ہاشمی فرید آبادی، ''تاریخ انجمن ترقی اردو''، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۳۸۔
۵۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ''برِ اعظم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ''، کراچی، ۱۹۹۹ء۔
۶۔ مولانا الطاف حسین حالی، ''حیات جاوید''، عشرت پبلشنگ، لاہور، سن ندارد، ص ۱۴۴۔
۷۔ ایضاً، ص ۹۴۔
۸۔ ڈاکٹر وقار احمد رضوی، ''سرسید ایک عہد ساز شخصیت''، ماہ نامہ قومی زبان، کراچی، دسمبر ۱۹۷۳ء۔
۹۔ سیّد ہاشمی فرید آبادی، ''تاریخ انجمن ترقی اردو، ص ۱۳۔
۱۰۔ رپورٹ اجلاس نمبر ۲۱ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۷ء، بمقام کراچی
۱۱۔ مولوی غلام ربانی، ''انجمن ترقی اردو کی کہانی''، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ۱۹۳۹ء، ص ۱۳۔
۱۲۔ مولوی عبدالحق، ''سرسید احمد خان''، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۸۱۔
۱۳۔ سیّد ہاشمی فرید آبادی، ''تاریخ انجمن ترقی اردو''، ص ۲۰

۱۴۔ رپورٹ انجمن ترقی اردو بابت، ۱۹۱۳ء، ص ۳۔
۱۵۔ ''انجمن ترقی اردو کی کہانی''، ص ۱۵۔
۱۶۔ رپورٹ انجمن ترقی اردو بابت، ۱۹۱۵ء، ص ۳۔
۱۷۔ رپورٹ انجمن ترقی اردو بابت، ۱۹۱۸ء، ص ۳۔
۱۸۔ ''انجمن ترقی اردو کی کہانی''، ص ۴۳۔
۱۹۔ محمد رضی راہی، ''مولوی عبدالحق حیات اور اسلوب''، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۵۴۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ جیلانی کامران: ۲۰۰۲ء، ''ادب کے مخفی اشارے''، ابلاغ، لاہور۔
۲۔ حالی، الطاف حسین، مولانا: سن ندارد، ''حیات جاوید''، عشرت پبلشنگ، لاہور۔
۳۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر: ۱۹۷۷ء ''وجہی سے اقبال تک''، مکتبۂ خیابان ادب، لاہور۔
۴۔ عبدالحق، مولوی: ۱۹۵۹ء، ''سرسید احمد خان''، انجمن ترقی اردو، کراچی۔
۵۔ غلام ربانی، مولوی: ۱۹۳۹ء، ''انجمن ترقی اردو کی کہانی''، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی۔
۶۔ فرید آبادی، ہاشمی، سید: ۱۹۸۷ء، ''تاریخ انجمن ترقی اردو''، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی۔
۷۔ قریشی، اشتیاق حسین، ڈاکٹر: ۱۹۹۹ء، 'براعظم پاک وہند کی ملت اسلامیہ'، کراچی۔

رپورٹیں:

۱۔ رپورٹ اجلاس نمبر ۲۱ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۷ء، بمقام کراچی
۲۔ رپورٹ انجمن ترقی اردو بابت، ۱۹۱۳ء۔
۳۔ رپورٹ انجمن ترقی اردو بابت، ۱۹۱۵ء۔
۴۔ رپورٹ انجمن ترقی اردو بابت، ۱۹۱۸ء۔

رسائل:

۱۔ ''برگ گل''، سرسید نمبر، ۵۴۔۱۹۵۵ء، اردو کالج، کراچی۔
۲۔ ماہ نامہ ''قومی زبان''، دسمبر ۱۹۷۳ء، کراچی۔